شیخ مصطفےٰ جواد ۔ ترجمہ : محمد سرور

شیخ ابن سینا اور ان کے عہد کی عقلی و اجتماعی حالت[1]

الشیخ الرئیس ابن سینا چوتھی صدی ہجری کی آخری تہائی میں پیدا ہوا۔ اس وقت یونانی کی اہم علمی کتابیں، جن میں منطق، ہیئت، ہندسہ، ریاضیات وغیرہ کی کتابیں تھیں، عربی میں ترجمہ ہو کر اسلامی دنیا کے اطراف و اکناف میں پھیل چکی تھیں۔ علمی بیداری پھل پھول لا چکی تھی اور اس کے نتیجے میں دوسری زبانوں سے ترجمے کی جگہ تالیف نے، کتابوں کی درس و تدریس کی جگہ نئی کتابوں کی تصنیف نے، تفصیل و استیعاب کی جگہ اختصار نے اور اختصار کی جگہ کتابوں کی شرح و بیان نے لے لی تھی۔ چنانچہ فلسفہ اور اس کے آلہ کار علم منطق، علم ہیئت و طب، موسیقی و طبیعیات اور حیوانات و نباتات پر کثرت سے کتابیں لکھی گئیں۔ خواص علوم عقلیہ کے ذوق سے بہرہ ور ہوئے اور ان سے انھوں نے عقل کو تربیت و ترقی دینا، نظر و بحث کی آزادی، اور حق و خیر تک پہنچنے کے لیے جو فلسفہ کا اصل مقصود ہیں، آزادانہ مسلک پر چلنا سیکھا۔ اس زمانے میں کتابیں اگرچہ کافی مہنگی تھیں، لیکن اس کے باوجود اس سے علوم کی نشر و اشاعت میں کوئی رکاوٹ نہ ہوئی۔ بطلیموس کی علم ہیئت کی کتاب "المجسطی" کا مجلد نسخہ بیس دینار میں ملتا تھا۔[2]

کتابوں کی اس گرانی کو دیکھ کر اور اس خیال سے کہ عام لوگ اتنی مہنگی کتابیں نہیں خرید سکتے، بعض بلند ہمت اور شریف الطبع حضرات نے جو علوم کے صحیح قدردان تھے، کتب خانے قائم کیے اور انھیں طالبان علم اور جویان معرفت کے لیے وقف کیا۔ ان کتب خانوں میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں :

ابو القاسم موصلی (متوفی ۳۲۳ھ) کا، جو ریاضیات کے عالم ہونے کے ساتھ ساتھ شافعی فقیہ بھی تھے، کتب خانہ۔[3] بصرہ کا ایک کتب خانہ، جس کے بانی کا نام تاریخ میں مذکور نہیں۔ اسی کے بارے

---

[1] اصل مضمون عربی میں ہے اور عراق کے مجلہ المجمع العلمی العراقی میں شائع ہوا ہے۔

[2] المکافاۃ و حسن العقبیٰ لابن الدایہ ص ۱۸۱

[3] معجم الادباء لیاقوت الحموی ۶-۱۹۷

میں بنو بویہ کے فرمانروا فنا خسرو نے کہا تھا کہ یہ ایک ایسی نیکی ہے جس میں ہم پیچھے رہ گئے ہیں[۵۴]۔ ابو منصور عبید اللہ بن محمد وزیر کا کتب خانہ[۵۵]۔ اور اسی طرح ایک کتب خانہ ایک اہل قلم ابو علی بن سوار کا تھا۔[۵۶] اوپر کے یہ تین کتب خانے صرف بصرہ میں تھے۔ اس میں شک نہیں کہ اخوان الصفا نے اپنے مشہور رسائل اخوان الصفا کی ترتیب و تدوین میں بصرہ کے انہی کتب خانوں سے فائدہ اٹھایا ہوگا، اور ان کا بصرہ میں قیام کو ترجیح دینا اسی خاطر تھا۔ یہ نوجانی بوجھی بات ہے کہ ابن سینا کو اخوان الصفا کے ان رسائل کا علم تھا، اور اس نے ان سے فائدہ بھی اٹھایا، جیسے کہ بیہقی نے اپنی کتاب تاریخ الحکما میں تصریح کی ہے[۵۷]

بنو بویہ کے فرمانروا بہاء الدولہ بن عضد الدولہ کے عہد میں ابو نصر سابور بن اردشیر وزیر نے بغداد کے محلہ کرخ میں ایک کتب خانہ قائم کیا تھا۔ اس میں مختلف علوم و فنون اور ادب و شعر کی بارہ ہزار کتابیں تھیں[۵۸]۔ یہ کتب خانہ دور دور سے آنے والے علما اور ادبا کا کعبۂ توجہ تھا۔ اسی کا رُخ، شام کے عربی زبان کے اندھے مشہور ادیب و شاعر ابو العلاء معری نے کیا اور اس کتب خانے کے بارے میں چند اشعار کہہ کر اسے جاودان بنا دیا۔ کتب خانہ سابور کی شہرت مصر کے فرمانروا اول فاطمیین تک پہنچی اور ان کے خلیفہ الحاکم بامر اللہ نے اس کے نمونے پر قاہرہ میں اپنا مشہور کتب خانہ قائم کیا۔ قاہرہ کا یہ کتب خانہ ۴۰۰ھ[۵۹] میں بغداد کے کتب خانہ سابور کے انیس سال بعد قائم کیا گیا۔ شیراز کے قرب میں فیروز آباد کے مقام پر بنو بویہ کے ایک امیر کے وزیر ابو منصور بہرام (۳۶۶ھ - ۴۳۳ھ) نے ایک کتب خانہ قائم کیا[۶۰]، جس میں انیس ہزار کتابیں تھیں، جن کی اکثریت اہم اور مشہور کتابوں پر مشتمل تھی۔ اس میں مشہور مصنف ابن مقلہ کے خود اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے چار ہزار ورق تھے۔ اسی طرح ہمدان میں ابو جعفر مہلبی ہمدانی کا قائم کردہ ایک کتب خانہ تھا، جو بارہ ہزار مجلدات پر مشتمل تھا۔[۶۱] اور یہ واقعہ ہے

---

[۵۴] المنتظم ۹-۵۳ - الکامل ۱۰-۱۲۲

[۵۵] الکامل ۱۰-۱۲۲ - کشف الظنون ص ۶۲۲

[۵۶] فہرست ابن الندیم

[۵۷] ایضاً ص ۵۲

[۵۸] المنتظم ۷-۱۷۲

[۵۹] النجوم الزاہرۃ ۴-۲۲۲

[۶۰] المنتظم ۸-۶۵، ۱۱۱

[۶۱] تاریخ بغداد للبغدادی

کہ ابن سینا نے ہمدان میں اپنے زمانۂ قیام میں اس سے فائدہ اٹھایا اور اپنی کتابوں کی تصنیف و تالیف میں اس کی کتابوں سے مدد لی۔ ہمدان میں عضد اللہ کا بھی ایک کتب خانہ تھا، جس کا ذکر بشاری مقدسی نے اپنی کتاب احسن التقاسیم میں کیا ہے۔ اس کتب خانہ کی بھی دور دور تک شہرت تھی۔[۱۲]

علاوہ ازیں اور بھی بہت سے کتب خانے تھے، لیکن چونکہ ان کا ہمارے اس خاص موضوع سے تعلق نہیں، اس لیے ہم ان کا ذکر نہیں کرتے۔ ان میں سے ایک کتب خانہ شام کے شہر طرابلس میں فخر الملک بن عمار کا تھا، جس کا علوم کی نشر و اشاعت، تہذیبی و ثقافتی بحثوں کو ممکن اور آسان بنانے اور تالیف و تصنیف کے لیے سہولتیں فراہم کرنے میں بہت اہم حصہ ہے۔

اب ہم ان حکومتوں کا ذکر کرتے ہیں، جنھوں نے علوم و فنون کی نشر و اشاعت کی سرپرستی کی اور ان کے عہد میں آزادیٔ بحث و آرا پروان چڑھی۔ ان حکومتوں نے علما کی اپنے مال و دولت اور اپنے جاہ و وقار سے مدد کی۔ وہ پناہ بنیں ان علما کی جو خوف زدہ تھے۔ سہارا ثابت ہوئیں ان کے لیے جو ہر طرف سے دھتکارے گئے تھے۔ جہاں ٹھکانا ملا حیرانی و پریشان زدہ علما کو اور جنھوں نے ان میں سے فقر و فاقہ کے مارے ہوؤں کی اعانت و دست گیری کی۔ ان حکومتوں میں سب سے پہلی ماوراء النہر اور خراسان کے بعض علاقوں کی سامانی حکومت تھی۔ اس کے بانی بنو سامان تھے، جن کا شمار سیرت و کردار کے اعتبار سے بہترین بادشاہوں میں ہوتا ہے۔ ان کا غالب وصف عدل و دین و علم تھا۔ وہ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ علم آزادی اور رواداری ہی کے سائے تلے ترقی کر سکتا اور پھل پھول سکتا ہے۔ بنو سامان کے ایک فرمانروا، منصور بن نوح بن نصر کے لیے ابوبکر رازی نے طب میں اپنی مشہور کتاب "المنصوری"[۱۳] لکھی۔ ان کا بخارا میں ایک بہت بڑا کتب خانہ تھا۔ ابن سینا نے اپنے خود نوشت حالاتِ زندگی میں اس کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ اس میں "علم الاوائل" یعنی فلسفہ اور اس کے معاون علوم کی کتابیں تھیں۔ نیز اس میں فقہ، اور عربی ادب و شعر کی کتابیں تھیں۔ ابن سینا نے اس کتب خانے سے بہت زیادہ استفادہ کرنے کی صراحت کی ہے۔[۱۴]

---

۱۲ المقاصد ۱۳۲ و ۴۴۴ ۱۳ الوفیات ۲ - ۱۹۳
۱۴ تمّت فی احوال الشیخ ابن سینا ص ۱۵

یہاں ہم یہ بھی ذکر کر دیں کہ نوح بن نصر سامانی نے ۳۵۰ھ میں مشہور قاضی ابوسعید الحسن السیرانی النحوی کو ایک خط لکھا تھا، جس میں اس سے سوالات پوچھے تھے۔ یہ سوالات کوئی چار سو کے قریب تھے اور نحو و ادب کے بارے میں تھے۔ نوح بن نصر کے اس خط کے ساتھ اس کے وزیر ابن البلعمی بخاری کا خط بھی تھا۔ ابن البلعمی کا باپ البلعمی الکبیر نوح بن نصر کے والد اسماعیل بن احمد سامانی کا وزیر تھا۔ اور اپنے زمانے میں عقل و فکر اور علم اور اہل علم کی تکریم میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ اس نے "تلقیح البلاغۃ" نام کی کتاب تصنیف کی۔ البلعمی الکبیر فارسی شاعری کے مجدد و رفائق ابوعبداللہ جعفر بن رودکی سمرقندی کا معاصر تھا۔ وہ اس کی بڑی عزت کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ رودکی کی نظیر نہ تو عرب میں ہے نہ عجم میں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ البلعمی کو اپنی قوم یعنی عجم اور اپنی زبان یعنی فارسی سے تعصب کی حد تک محبت تھی۔ ان دونوں کا ۳۲۹ھ میں انتقال ہوا۔[۱۵]

جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے علم، اس کی نشر و اشاعت اور اس کی کتابوں کو جمع کرنے کی محبت صرف سامانی فرمانرواؤں تک محدود نہ تھی، بلکہ ان کے وزرا بھی اس میں پیش پیش تھے۔ اس ضمن میں البلعمی الکبیر کا ذکر ہو چکا ہے۔ ان کے دوسرے وزرا کے ذکر میں سب سے پہلا نام ہمارے ذہن میں ابوعبداللہ احمد بن محمد جیہانی کا آتا ہے۔ اس کی مصنفہ کتابوں میں سے "آئین نامہ"، "کتاب عہود الخلق"، "ابوالعباس، عبداللہ الناشی الاکبر کی کتاب المقالات پر حواشی"، اور "کتاب المسالک والممالک" ہے۔ اس آخر الذکر کتاب کا ابن الفقیہ ہمدانی نے سرقہ کر لیا تھا۔[۱۶] یہ یورپ میں چھپ گئی ہے۔ اس عدالت شعار اور علم پرور حکومت کے لیے یہ فخر کافی ہے کہ اس کے زیر سایہ ابونصر محمد بن طرخان الفارابی جیسا عظیم و مشہور فلسفی پروان چڑھا۔

بنو سامان کی حکومت حریت پسندوں کی پناہ گاہ، نیکو کاروں کا مرجع، اور ادبا اور شعرا کا ٹھکانا تھی۔ بعض عباسی افراد بھی جو بغداد کے تخت خلافت کی تمنا دل میں رکھتے تھے، سامانیوں کے پاس پناہ لینے پہنچ گئے تھے۔ پھر یہ ان کی حکومت ہی میں ممکن تھا کہ محمد بن احمد افریقی جیسا شاعر جو بخارا میں آکر رہ پڑا تھا، رندانہ شعر کہے اور محفوظ رہے۔ ایک قصیدے میں یہ شاعر اپنی بیوی

---

۱۵ الانساب للسمعانی

۱۶ معجم الادبا ۱- ۵۹ و ۶۳

کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے، تو مجھے نماز ترک کرنے پر ملامت کرتی ہے۔ میں تم سے کہتا ہوں۔ میری نظروں سے دور ہو جاؤ اور تم کو طلاق ہے۔ خدا کی قسم جب تک میں مفلس ہوں کبھی نماز نہیں پڑھوں گا۔ نماز تو پڑھے عالی قدر شیخ دقائق۔

یہ شیخ دقائق سامانیوں کا ایک سردار تھا، جو چالیس سال سے زیادہ عرصے تک خراسان کے بعض شہروں کا والی رہا[۱۷]۔ اس کے بعد یہ رند مشرب شاعر دقائق کے مال و متاع، اس کی اراضی و باغات، اور دوسری ثروت کا ذکر کرتا ہے۔ اور آخر میں کہتا ہے کہ جب تک اللہ مجھے رزق میں اتنی وسعت نہیں دیتا، میں کبھی نماز نہیں پڑھوں گا۔

سامانیوں کے بعد اس عہد کی ایک اور حکومت پہلے خوارزم شاہیوں کی تھی۔ ابن سینا کے زمانے میں یہ حکومت بھی علوم و فنون کی سرپرست تھی۔ گو اس کا دارالسلطنت کرگانج بھی بخارا کی طرح ایک علمی مرکز تھا۔ لیکن وہ بخارا کے درجے تک نہیں پہنچ سکا اگرچہ وہاں البوریحان جیسا فاضل اور علامہ اور احمد بن محمد سہیلی خوارزمی جیسا صاحب علم اور علم پرور وزیر ہوا۔ یہی سہیلی ہے، جس کے پاس ابوعلی بن سینا نے پناہ لی تھی۔ وہ اپنے خود نوشت حالات زندگی میں لکھتا ہے: "حالات نے مجھے مجبور کیا کہ میں بخارا چھوڑ کر کرگانج منتقل ہو جاؤں۔ وہاں ان علوم سے محبت کرنے والا ابوحسین سہیلی وزیر تھا۔" سہیلی میں امارت و ریاست کے خصائص، وزارت کے لوازم اور علم و ادب کے فضائل جمع ہو گئے تھے۔ اس کی اوصاف و تشبیہات پر "الروضۃ السہیلیہ" نامی ایک تصنیف ہے۔ اسی کے کہنے پر حسن بن حارث حسونی نے، شافعی و حنفی مذاہب فقہ پر ایک کتاب لکھی۔

قبل اس کے کہ اس ضمن میں ہم بنو بویہ کی سلطنت کا ذکر کریں، ہم ان حکما کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جو ابن سینا کے دور میں خوارزم میں تھے۔ جیسا کہ ابوالخیر حسن بن بابا جو بغداد میں پیدا ہوا، خوارزم میں اس نے تعلیم حاصل کی اور وفات اس کی غزنی میں ہوئی۔ اسی کے بارے میں ابن سینا نے لکھا ہے: "پس ابوالخیر ان لوگوں کے زمرے میں نہیں آتے۔ خدا کرے ہمیں پھر ان کی ملاقات نصیب ہو، خواہ وہ ہم سے استفادہ کریں یا ہم ان سے فائدہ اٹھائیں[۱۸]۔"

---

[۱۷] تخلیص معجم الالقاب لابن الفوطی ۴-۱۴۵

[۱۸] نکت فی احوال الشیخ، ص ۱۶

جب مشرقی ایران، عراق اور الجزیرہ پر بنوبویہ کا تسلط ہوگیا اور خلافت عباسیہ ان کے زیر نگین آگئی تو علوم بڑی سرعت سے ترقی کرنے لگے۔ یہاں تک کہ بنوبویہ کا عہد اسلامی علوم کے فروغ کے سلسلے میں سب سے بازی لے گیا اور اس کی وجہ تھی مذہبی آزادی، فکری آزادی اور قلم کی آزادی کا وافر ہونا۔ اس سے پہلے ان آزادیوں پر سخت بندشیں تھیں۔ اور جو ان کا فائدہ اٹھاتے تھے، انھیں موت کا مزا چکھنا پڑتا تھا، جیسا کہ حسین بن منصور حلاج کا حشر ہوا[۱۹]۔ جب بنوبویہ کی حکومت آئی تو آزاد و قلم بروئے کار آئے۔ دبے ہوئے نفوس کو زبان ملی۔ گھٹے ہوئے سینوں نے سانس لیے عقل کی قوت تسلیم کی گئی اور منقولات میں عقل کا سکہ رواں ہوا۔ اس سے پہلے منقولات کا درجہ تقدس کا تھا۔ جس صورت میں بھی وہ ملتیں، خواہ وہ صحیح ہوتیں یا وضعی و جعلی، انھیں حقیقت واقعی مانا جاتا۔ اور یہ نہ دیکھا جاتا کہ ان میں امکان کتنا ہے اور کتنا نہیں۔

اس آزادی فکر و اظہار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، بعض لوگوں نے جن پر رعونت و حماقت کا غلبہ تھا، الحاد و زندقہ کی باتیں کرنا شروع کیں، اور اس طرح رائے عامہ کو چیلنج دیا۔ جیسے کہ ایک درمیانے درجے کا شاعر احمد نہر جوری تھا، جو کھلم کھلا الحاد کا اعلان کرتا۔ یہ علوم فلسفہ میں کافی دسترس رکھتا تھا۔ البتہ علوم عربیہ میں یہ متوسط درجے کا تھا۔ یہ شاعر ابن سینا کا معاصر تھا۔ اور ۴۰۳ھ میں اس کا انتقال ہوا[۲۰]۔

بنوبویہ کے دور حکومت میں بڑے بڑے فاضل علما، شاعر، اہل قلم، فقہا، حکما و فلاسفہ اور ماہر طبیب ہوئے، اور معتزلہ کی قوت اور سرگرمیاں دوبارہ لوٹ آئیں۔ اور ان کا دائرۂ اثر و نفوذ بڑھا۔ بنوبویہ کے فرمانرواؤں اور ان کے وزرا و امرا کا علوم کی طرف بڑا میلان تھا۔ وہ حکمت و معرفت کے شائق تھے۔ اور علوم معارف کی نشر و اشاعت میں سرگرم کار رہتے۔ اس سے پہلے ہم ان کے ایک فرمانروا عضد الدولہ کا ذکر کر چکے ہیں، جس نے ایک بہت بڑا کتب خانہ قائم کیا تھا۔ بنوبویہ کے امرا و وزرا میں سابور جیسے بھی تھے جنھوں نے بغداد میں مشہور کتب خانہ بنایا، جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ ان کے ایک کتب خانہ کا مہتمم (لائبریرین)، ابن مسکویہ جیسا حکیم و

---

۱۹ طبقات الصوفیہ لابی عبد الرحمٰن سلمی ص ۳۰۷

۲۰ معجم الادبا ۲- ۸۸

فلسفی تھے۔ اور ان کا ایک امیر قابوس بن وشمگیر تھا، جس نے ابوریحان البیرونی کو اپنے لیے مختص کرنے کی خاطر یہ شرط پیش کی تھی کہ جو مال و متاع اور جو ملک و اقتدار اس کے پاس ہے یہ سب البیرونی کی مرضی پر ہوگا۔ لیکن البیرونی نے اس شرط کو مسترد کر دیا[21]

بنو بویہ کے عہد میں علوم و فنون پر بڑی اہم کتابیں لکھی گئیں۔ اس دور کی آزادی فکر کا جس آزادی سے اظہار ہوا، اس کی مثال شریف مرتضیٰ کی کتاب "الشافی" اور ابوالحسن عبدالجبار بن احمد اسدآبادی شافعی (متوفی ۴۱۵ھ) کی کتاب، جو بنو بویہ کا قاضی القضاۃ تھا، "المغنی" ہے۔ یہ دونوں ابن سینا کے معاصر تھے۔ اس آزادی فکر اور آزادی اظہار کی ایک مثال یہ ہے کہ قاضی القضاۃ مذکور فروع میں شافعی العقیدہ اور اصول میں معتزلی مسلک رکھتا تھا[22]۔ ان کے علاوہ اس دور میں ابن باقلانی، شیخ المفید، ابوحیان توحیدی، ابن مسکویہ اور ماوردی شافعی کی جو عباسی سلطنت کے سب سے بڑے قاضی ہیں، کتابیں ظہور پذیر ہوئیں۔ یہ سب دلالت کرتی ہیں اس دور کی آزادی فکر اور آزادی اظہار پر۔

یہ ہے وہ زمانہ اور یہ ہے وہ معاشرہ اور علمی ماحول، جس میں ابوعلی ابن سینا الشیخ الرئیس پیدا ہوا۔ اگر اس کے علمی ماحول کا ان مسلم علاقوں کے علاوہ دوسرے علاقوں سے بھی تعلق ہوتا تو ہم ان کی ثقافت و تہذیب کا بھی ضرور ذکر کرتے، جیسا کہ شمالی شام میں واقع بنو حمدان کی سلطنت تھی، جس کا رخ فارابی نے کیا، اور ان کے زیر سایہ اس نے ڈیرے ڈال دیے۔

غرض ابن سینا اس عہد میں پیدا ہوا۔ اس کے والد کا وطن خراسان کا شہر بلخ تھا لیکن وہ ابن سینا کی ولادت سے پہلے ہی بلخ سے بخارا منتقل ہوگیا تھا۔ اس انتقال مکانی کی وجہ کیا تھی؟ بات یہ ہے کہ بلخ غزنوی سلطنت کے بانی امیر سبکتگین کے زیر تسلط تھا۔ اور خراسان شافعی مذہب فقہ کے حلقہ اثر میں تھا۔ چنانچہ اس دور میں جیسے جیسے خراسان سے مغرب کی طرف جاتے، شافعی فقہی مذہب کا اثر و نفوذ زیادہ ہوتا جاتا اور جب خراسان سے مشرق کی طرف

---

[21] معجم الادباء ۶-۳۰۹

[22] تاریخ بغداد للخطیب ۱۱-۱۱۳ و کتاب "ابی جعفر النقیب ص۵-۴

جانتے تو اس کا اثر کمزور ہوتا جاتا۔ بلخ میں فقہ کے یہ دو مذہب شافعی اور حنفی ایک دوسرے کے مقابل موجود تھے۔ ماوراء النہر اور اسی میں بخارا ہے، حنفی مذہب فقہ کے حلقۂ اثر و نفوذ میں تھا۔ البتہ خیوا اس سے خارج تھا۔ وہاں کے رہنے والے شافعی العقیدہ تھے۔ اسی طرح شاش کے باشندے شافعی تھے۔ وہاں شافعی فقہ کے مشہور امام ابوبکر محمد بن علی شاشی متوفی ۳۶۶ھ نے اس مذہب کی ترویج کی تھی۔

اس دور میں ابن سینا کے والد کے بلخ سے بخارا منتقل ہونے کا مطلب یہ تھا کہ وہ شافعی فقہ کے منطقے سے نکل کر حنفی فقہ کے منطقے میں چلا گیا۔ اس وقت غزنی کا فرمانروا محمود غزنوی شافعی فقہ کے حامیوں اور کلام میں اشعری مسلک کے مریدین میں سے تھا۔ وہ فقہ حنفی کے حق میں نہ تھا، جو دینی مسائل کو حل کرنے میں عقل کو حَکَم مانتا ہے۔ اور بعض دفعہ اس کا میلان اعتزال کی طرف بھی ہو جاتا ہے۔ نیز وہ احکام و قوانین میں رائے اور قیاس سے کام لینے کا قائل ہے۔

غرض ابن سینا کا والد غزنوی سلطنت کی حدود سے نکل کر سامانی سلطنت میں چلا گیا۔ کیونکہ وہاں کے لوگ فقہ حنفی کے پابند تھے اور علوم عقلیہ کے مطالعہ کے بارے میں اس مذہب میں قدرے رواداری پائی جاتی تھی۔ اس انتقالِ مکانی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ابن سینا کے والد نے مصر کے اسماعیلی داعیوں کی دعوت پر اسماعیلی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ جیسا کہ ابن سینا نے اپنے خود نوشت حالاتِ زندگی میں لکھا ہے، لیکن خود ابن سینا کا اس مذہب کی طرف میلان نہیں ہوا بلکہ اس سے اسے کراہت تھی اور اس کی صراحت اس نے خود کی ہے۔

بات یہ ہے کہ خراسان میں مذہبی جبر و تشدد بہت زیادہ تھا۔ اور اس میں ان علاقوں میں مصر سے اسماعیلی داعیوں کے پہنچنے کے بعد بہت اضافہ ہو گیا تھا۔ بے شک اسماعیلیوں نے ان دیار میں اپنے مذہب کو پھیلانے کی کوششیں کیں لیکن وہ اس میں ناکام ہوئے۔ ہوا یوں کہ انھوں نے اپنے داعیوں میں سے ایک داعی کو جس کا نام عبداللہ بن علی العلوی تھا، مصر کے اسماعیلی خلیفہ الحاکم بامراللہ کا خط دے کر محمود غزنوی کی طرف بھیجا، جس میں اسے اسماعیلی مذہب اختیار کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ یہ داعی اپنے مذہب کی بہت سی کتابیں لے کر آیا تھا۔ محمود غزنوی نے اس داعی کو اہل نیشاپور کے حوالے کیا، جو اس زمانے میں شافعی المذہب تھے۔ چنانچہ ایک مجلس مناظرہ مرتب کی گئی

جس میں مختلف فرقوں کے علما اکٹھے ہوئے۔ شیخ ابو منصور عبدالقاہر بن طاہر نے اس داعی سے مناظرہ کیا اور دلائل سے اسے لاجواب کر دیا۔ اس کے بعد یہ معاملہ عباسی خلیفہ القادر باللہ کے سامنے پیش ہوا، اور اس کے حکم سے اس داعی کو بُست کے نواح میں ۴۰۰ھ سے کچھ مدت بعد قتل کر دیا گیا۔ اسی مناظرے کے نتیجے میں شیخ عبدالقاہر کی کتاب "الفَرق بین الفِرق" وجود میں آئی، جس میں اسماعیلی مذہب اور اسی طرح کے دوسرے مذاہب کے مقابلے میں شافعی اشعری مذہب کی برتری ثابت کی گئی ہے۔

میرا خیال ہے کہ اس واقعہ کے بعد خراسان میں جن لوگوں نے اسماعیلی مذہب اختیار کر رکھا تھا، وہ جان بچا کر خراسان سے نکل کر ماوراء النہر چلے گئے۔ ظاہر ہے ان میں سے ابن سینا کا والد بھی تھا۔ غرض ابن سینا کی نشو و نما اس ماحول میں ہوئی، جہاں حنفی مذہب کا غلبہ تھا۔ اور خود اس کا والد بھی پہلے حنفی تھا۔ پھر اسماعیلی بن گیا تھا۔ باوجود اس امر کے کہ ابن سینا کا والد اسماعیلی تھا، اس نے دوسرے بخارا کے نوجوانوں کی طرح فقہ حنفی کا مطالعہ کیا اور علم کلام پڑھا، جس سے کہ مناظرہ کی استعداد پیدا ہوتی ہے۔ اس فقہی مذہب نے اس کو عقلیات کے حصول میں مدد دی۔ اور واقعہ یہ ہے کہ اگر ابن سینا نے شروع میں حنفی فقہ نہ پڑھی ہوتی تو میری رائے میں وہ کبھی فلسفی نہ بن سکتا۔ اس عہد میں بخارا میں سب سے مشہور حنفی فقیہ ابو محمد اسماعیل بن حسین بن علی بخاری تھا، جو اصول و فروع میں اپنے زمانے کا امام تھا۔ اور اس کے ساتھ وہ محدث بھی تھا۔ ابن سینا نے اپنی خود نوشت سوانح عمری میں اپنے اس حنفی استاد کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے: "ابو عبداللہ ناتلی کے آنے سے پہلے میں نے شیخ اسماعیل سے فقہ پڑھی۔ میں اس سے سوال کرنے والوں میں سے سب سے بڑھ کر زیرک تھا۔ اس طرح میں سوالات کرنے اور ان کے جوابات دینے کے طریقوں سے واقف ہوا، جیسے کہ وہاں لوگوں کا دستور تھا۔ میں سولہ سال کا تھا کہ میں فقہ پڑھتا تھا اور اس میں بحث و مناظرہ کرتا تھا۔ جب میں امیر بکر کانج کے ہاں پہنچا تو فقیہوں کے مخصوص لباس میں تھا۔ چنانچہ اس نے میرے گزارے کے لیے مشاہرہ مقرر کر دیا۔"

واقعہ یہ ہے کہ اگر شیخ ابو علی سینا پر فلسفہ غالب نہ آتا تو وہ ایک بہت بڑا حنفی فقیہ ہوتا۔ اور یہ اس لیے کہ اس نے پوری طرح فقہ حنفی کی تحصیل کی۔ اور اس کے ساتھ علم کلام اور فن مناظرہ میں بھی دسترس حاصل کی، جو کہ حنفی مذہب کی امتیازی خصوصیات میں سے ہیں۔ ابن سینا کے

بارے میں مشہور ہے، اور اس کا اعتراف اس نے اپنی خود نوشت سوانح عمری میں بھی کیا ہے کہ وہ شراب پیتا تھا۔ اپنے اس فعل کے جواز کی دلیل اس نے غالباً فقہ حنفی سے لی تھی، جس کے نزدیک نبید محرمات میں سے نہیں ہے۔ اپنی شراب نوشی کا ذکر وہ ان الفاظ میں کرتا ہے: "رات کو میں گھر لوٹتا ہوں۔ میرے سامنے چراغ ہوتا ہے۔ اور میں پڑھنا لکھنا شروع کر دیتا ہوں۔ اس دوران جب مجھ پر نیند کا غلبہ ہوتا ہے۔ یا میں کمزوری محسوس کرتا ہوں تو شراب کے چند جام پیتا ہوں تاکہ میں تازہ دم ہو جاؤں۔ پھر میں مطالعہ شروع کر دیتا ہوں۔[۲۳]" اسی سلسلے میں اس کا ساتھی ابو عبید جوزجانی بیان کرتا ہے: "ابن سینا کے گھر میں ہر رات طلبۂ علم جمع ہوتے تھے۔ جب میری باری ہوتی میں اس کی کتاب الشفاء کا سبق پڑھتا۔ کبھی کوئی اور اپنی باری پر کتاب القانون میں سے سبق پڑھتا۔ جب ہم اس سے فارغ ہوتے، مختلف قسم کے مغنی آجاتے اور آلات شراب رکھے جاتے اور ہم غنا و شراب سے محظوظ ہوتے۔[۲۴]"

اس میں شک نہیں کہ بعد میں شیخ ابن سینا پاؤں سے لے کر سر تک فلسفہ و حکمت میں منہمک ہو گیا۔ اس کا حنفی مذہب اور اس کی فقہ اس کے لیے ایک ایسے حادثے کا خیال بن گیا، جسے گزرے عرصۂ دراز ہو گیا ہو۔ اور آخر میں وہ ایک ایسے مقام پر پہنچ گیا، جہاں اس کے متعلق یہ کہنا مشکل تھا کہ اس کا کس مخصوص مذہب سے تعلق تھا۔

ابن سینا کے والد کا انتقال تقریباً ۳۹۲ھ میں ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب بنو سامان کی حکومت ختم ہو گئی اور خراسان غزنوی اقتدار کے تحت آگیا۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا غزنوی دورِ حکومت میں مذہبی رواداری کا فقدان تھا۔ چنانچہ جب محمود غزنوی کا خوارزم پر قبضہ ہوا تو ابو ریحان البیرونی اور اس کا استاد عبد الصمد الحکیم پکڑے گئے۔ استاد پر کفر اور اسماعیلی ہونے کا الزام لگا اور اسے قتل کر دیا گیا۔ البیرونی اس لیے بچ گیا کہ اس کے بارے میں بتایا گیا کہ وہ علم النجوم کا بڑا ماہر ہے اور ایسے لوگوں کی بادشاہوں کو ضرورت ہوتی ہے۔ اس پر محمود غزنوی اسے اپنے ساتھ لے گیا اور اس کو انعام و اکرام سے نوازا۔

---

۲۳ نکت ص ۱۳

۲۴ نکت سیرۃ الشیخ ص ۱۹

خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ وہ زمانہ جس میں شیخ ابن سینا کی زندگی گزری۔ اس کو علمی بلندی پر پہنچانے، اس کے مطالعہ کو وسیع کرنے اور علوم میں اس کے غیر معمولی تبحر پیدا کرنے میں اس کا بہت بڑا حصہ ہے۔ اور اس فخر کی مستحق درحقیقت بنو سامان اور بنو بویہ کی حکومتیں ہیں کہ ان کے زمانے میں علوم ثمردار درختوں کی طرح پک کر تیار تھے اور شیخ ابن سینا کو موقع ملا کہ وہ ان میں سے جس درخت سے جو پھل چاہے، چنے۔ فرض کیا اگر ابن سینا سلطنت غزنویہ کے اندر پیدا ہوا ہوتا تو یا تو اسے قتل کر دیا جاتا، یا اس کی فطری صلاحیتیں دب کر رہ جاتیں جیسا کہ اور بہت سوں کی دب کر رہ گئیں۔

الفہرست

تالیف: محمد بن اسحٰق ابن ندیم ورّاق

ترجمہ و تحشیہ: مولانا محمد اسحٰق بھٹی

محمد بن اسحٰق ابن ندیم ورّاق کی یہ کتاب چوتھی صدی ہجری کے علوم و فنون اور کتب و مصنفین کی مستند تاریخ ہے اور اس موضوع سے متعلق بنیادی مآخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں یہود و نصاریٰ کی کتابوں، قرآن مجید کے علوم، ادب و انشا اور اس کے مختلف مکاتب فکر، حدیث و فقہ اور اس کے تمام مدارس فکر، صرف و نحو، منطق و فلسفہ، ریاضی و حساب، شعر و شعبدہ بازی، طب اور صنعت کیمیا وغیرہ تمام علوم، ان کے علما و ماہرین اور اس سلسلہ کی تصانیف کے بارے میں اہم تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ نیز ہندوستان اور چین وغیرہ میں اس وقت جو مذاہب رائج تھے ان کی وضاحت کی گئی ہے۔ پھر یہ بتایا گیا ہے کہ اس دور میں دنیا کے کس کس خطے میں کیا کیا زبانیں رائج تھیں۔

الفہرست کے اردو ترجمہ کی شدید ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔ چنانچہ متعدد نسخے سامنے رکھ کر اس کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ فاضل مترجم نے ضروری حواشی دے کر کتاب کی افادیت میں اضافہ کر دیا ہے۔ قیمت -/۲۰ روپے

ملنے کا پتہ:

ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ۔ لاہور